R. No. 2180/57

Regd. No. 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

چندہ

سالانہ تین روپئے
ایک پرچہ دس
نئے پیسے

ٹیلیفون نمبر

۲۲۱۵۸۲۱

Tele. No. 29

Telegrams "ANJUMAN"

جلد ۲۲ شمارہ ۲۵ | ایڈیٹر آل احمد سرور | یکم جولائی ۱۹۶۳ء

منوہر پرشاد ماتھر (ایڈوکیٹ)

اُردو میں ہندو دھارمک کتابیں

اور

سفت دھرم پرچار منڈل

اُردو زبان کی نشرو اشاعت کرنے والے اداروں انجمنوں اور اشاعتی گھروں میں سفت دھرم پرچار منڈل امرت سر منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے نہیں کہ اس کے زیر اہتمام ادبی سیمینار ہوتے ہیں، مشاعرے ترتیب دئے جاتے ہیں یا جلسوں اور کانفرنسوں کا اہتمام ہوتا ہے، بلکہ اس لئے کہ اس کی جانب سے گزشتہ ۸۰ برس سے متواتر اردو زبان میں ہندو سنسکرت گرنتھوں کا ترجمہ ہو رہا ہے اور ان گرنتھوں، انکے ترجموں کے علاوہ دیگر مقدس کتابوں کی تصنیف و تالیف کا کام بھی آج کے ناساعد حالات میں برابر جاری ہے۔ اس ادارے کی جانب سے شایع کی گئی ۳۰۰ کتابوں کو دیکھنے سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اس کے کارکن جس جاں فشانی اور لگن سے بلا معاوضہ کام کر رہے ہیں، ایسا کام اُردو کے بڑے ادارے بھی نہ کر پاتے ہیں۔

ہندو دھرم کے سبھی گرنتھ یا تو سنسکرت میں ہیں یا پھر ہندی میں، اور ہندی زبان میں جو کتابیں شایع ہوتی ہیں ان میں سے اکثر ان مقدس کتابوں کے ترجمے ہیں، البتہ ہندو گرنتھوں اور دھارمک کتابوں کے فارسی میں کافی ترجمے ملتے ہیں۔ وہ شاید اس لئے کہ مغل دورِ حکومت میں مغل شہنشاہوں نے اپنی سرپرستی میں ان کے بڑے کامیاب ترجمے کرائے ہیں جن میں اکثر منظوم بھی ہیں، اور بعض ضخیم جلدوں میں محفوظ ہیں۔ ہندی کے بعد اکثر ہندو دھارمک کتابیں کسی زبان میں ملتی ہیں تو وہ فارسی میں ہی ہیں۔

ایسی بات نہیں ہے کہ ان گرنتھوں کے اُردو میں ترجمے کرنے، انھیں شایع کرنے یا ان کی تشہیر و اشاعت سے کبھی گریز کیا گیا ہے۔ اُردو زبان میں جتنی ہندو دھارمک کتابیں شایع کی گئیں وہ بلند پایہ اور قابل قدر ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اردو کے ابتدائی دور سے ہی ہندو گرنتھ بڑی تیزی کے ساتھ اردو زبان میں منتقل کئے جاتے رہے ہیں، اور جیسے جیسے یہ زبان ترقی کرتی گئی اس زبان میں منظوم کاوشیں بھی منظر عام پر آئیں اور اکثر کے منظوم ترجمے مقبول بھی ہوئے۔ پھر بھی اُردو زبان میں جتنے ترجمے شایع ہوئے یا جو کتابیں ہندو گرنتھوں پر لکھی گئیں ان کی تعداد محدود رہی اور جو ترجمے ہوئے بھی تو وہ زیادہ تر رامائن، بھگوت گیتا، مہابھارت اور شریمد بھگوت کے ہی ہوئے جس پر صاحبان قلم نے اپنی توانائی صرف کی۔ بھگوت پران کی کچھ جلدیں شایع ہوئی تھیں اور کچھ ہندو دھارمک کہانیوں کے ترجمے بھی میری نظر سے گزرے ہیں مگر ان کی زبان اور اسلوب اتنا پرانا ہے کہ آج کا قاری ان سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ سوائے ان تین چار ہندو دھرم کی عظیم کتابوں کے دوسری کسی کتاب کا ترجمہ شایع بھی ہوا تو مقبول نہ ہوا ہوگا اور آج جب اس سلسلے میں جائزہ لیں تو یہی پتہ چلتا ہے کہ عہد قدیم کے ان ترجموں کے نسخے اب ملتے نہیں ہیں یا ملتے بھی ہیں تو کمیاب ضرور ہوں گے۔

مگر یہ جان کر تعجب ہوتا ہے کہ اُردو زبان میں دھارمک مضامین کی بہتات ہے اور وہ بھی اس طرح کہ اُردو زبان میں ہندو دھارمک رسالے، ہفتہ وار پرچے کثیر تعداد میں شایع ہوتے تھے اور مقبول بھی تھے۔ ان رسالوں کی سرپرستی بھی سادھو اور سنت کیا کرتے تھے، اور ان کے ارشادات عالیہ

ان صفحات کی زینت ہوتے تھے۔ کچھ عرصے قبل تک شیوبرت لعل جی ایم اے جیسی بزرگ ہستی نے اپنے رسالوں میں نہ صرف دھارمک مضامین اردو میں لکھے بلکہ متعدد کتابوں کے ترجمے بھی قسط وار ان میں شائع کئے۔ اردو کے اخبارات بھی دھارمک جگت کے لئے اپنے کالم وقف کر رہے تھے۔ رسائل میں "نان سرور" "مستانہ جوگی" "دیال" "شیو شبھ" "اایا" "ادم" وغیرہ وغیرہ نے ہندو دھارمک خیالات کو بڑی حد تک اردو زبان میں منتقل کیا ہے۔ مگر ایک ایک کرکے یہ جریدے بند ہو گئے، کئی دھارمک رسالوں کی اشاعت متاثر ہو گئی، اور کئی ایک مخصوص حلقے تک محدود ہو گئے۔ نتیجے میں ہندوستان بھر میں مقبول اشاعت رکھنے والا کوئی ایسا رسالہ آج نہیں رہا ہے۔

غالباً اسی کے پیش نظر سفت دھرم پرچار منڈل امرتسر نے ہندو دھرم کی تبلیغ و تشہیر کے لئے اردو زبان کا انتخاب کرکے اپنے ادارے کی جانب سے ہر ماہ ایک دھارمک کتاب شائع کرنے کا پروگرام بنایا، اور ہماری زبان کی خوش قسمتی ہے کہ ہر ماہ اردو میں ایک دھارمک کتاب شائع کرنے کا اسے اعزاز حاصل ہے۔ اس کی دھارمک کتابیں نہ صرف بڑے بڑے گنے چنے گرنتھوں تک محدود ہیں بلکہ تحقیق اور ریسرچ کے بعد اس نے مختلف کتابوں کی شرحیں اور مہاتمیہ شائع کی ہیں۔ قبل اس کے کہ میں منڈل کی جانب سے شائع کی گئی کچھ حالیہ کتابوں کا جائزہ لوں، اس منڈل کے بارے میں کچھ مختصر سے معلومات بہم پہنچانا ضروری سمجھتا ہوں۔ سفت دھرم پرچار منڈل جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اپنی نوعیت کا ہندوستان بھر میں واحد ادارہ ہے جو سناتن دھرم کی تبلیغ و اشاعت کے لئے اردو زبان میں مفت کام انجام دے رہا ہے اور بزرگان سلف کے احکامات اور کلام سے ہر ایک کو فیض پہنچا رہا ہے تاکہ لوگ نیکی کی راہ کو اپنائیں۔ ادارے کو قابل افراد کا تعاون اشتراک حاصل ہے اسی کے باعث اس کی تخلیقات اور تصانیف انتہائی مقبول ہو رہی ہیں۔ پنجاب کی سرزمین اردو کا گہوارہ رہی ہے اور گزشتہ ۲۸ سال میں ادارے کی جانب سے کوئی ۳۰۰ کے قریب مختلف قسم کی چھوٹی بڑی کتابیں لاکھوں کی تعداد میں شائع کرکے مفت تقسیم کی گئی ہیں۔ دیگر زبانوں کے مخطوطات بھی ادارے کی جانب سے شائع کئے گئے ہیں۔ اپنے محدود وسائل کے باوجود سفت دھرم پرچار منڈل دینی کتابیں، لٹریچر، رسالے وغیرہ آج بھی مفت تقسیم کرتا ہے۔ کسی قسم کی فیس یا خرچ بھی طلب نہیں کرتا۔ اس کا تمام زرسرمایہ اہل خیر حضرات کے دان، عطیوں اور چندوں پر مشتمل ہے۔ اس ادارے کو تمام کارندوں کے اعزازی طور پر کام انجام دینے کے باعث سہولت فراہم ہو گئی ہے۔ اردو زبان میں مذہبی کتابیں شائع کرنے والے اس ادارے کی ابتدا میں اچھی سرپرستی ہوئی اور ہندوستان کے گوشے گوشے میں اس کی کتابیں مفت بانٹی جاتی رہیں، اور ہزاروں کی تعداد میں شائع کی جاتی تھیں۔ اردو جن حالات سے گزری یہ کسی سے پوشیدہ نہیں اور نتیجے میں اس ادارے کے کاروبار کا متاثر ہونا ضروری تھا، مگر آپ کو یہ جان کر تعجب ہوگا کہ اس بحرانی دور میں جب کہ اچھے اچھے اداروں نے اپنے اشاعت گھر مقفل کر دیئے، منڈل نے اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ منڈل کی جانب سے شائع شدہ کتابوں میں، کرشن سنکا سادھان، شیو چرتر، رام درشن، کرشن درشن، رتن ساگر، کرشن لیلا، بیکنٹھ دھام، ایشور کے چوبیس اوتار، شیو مہما، رام بھگتی، ہندو سندیش، درگا استتی، رام لیلا، رادھا چرنہ آرتی پرکاش، ایشور بھگتی وغیرہ نمایاں حیثیت کی حامل ہیں۔ ان میں سے ہر کتاب کی تعداد اشاعت ہزار سے کم نہیں اور اس ادارے کا "کلیان ساگر" جو ۱۲۰۰ صفحات کی ضخیم کتاب ہے کثیر تعداد میں تقسیم کی گئی ہے۔

گزشتہ ۵ سال سے ادارہ تلسی کیرت رامائن کو اردو زبان کا لب و لہجہ عطا کرنے میں مصروف تھا اور چونکہ اس کے ہاں اتنا سرمایہ نہیں تھا کہ ۵۰۰ صفحات کی اس کتاب کو ایک ساتھ شائع کیا جائے اس کے کارکنوں نے انہیں قسط وار شائع کیا۔ گو سائیں تلسی داس کی اس کتاب کا یوں تو ہر زبان میں ترجمہ موجود ہے اور اردو زبان میں جتنی رامائنیں لکھی گئی ہیں شاید ہندوستان کی کسی اور زبان میں ہوں، مگر سفت دھرم پرچار منڈل والوں نے ہندی رسم خط کو اردو رسم خط میں تبدیل کرکے اس کی شرح اردو میں شائع کی ہے یعنی یوں سمجھئے کہ قاری ایک ساتھ ہندی کے اصل متن کو بھی پڑھ سکتا ہے پھر اس کی شرح بھی۔ اس طرح اردو داں حضرات ہندی کو سمجھنے اور پڑھنے کے شوق کو برقرار رکھ سکتے ہیں۔ یہ ترجمے اب کتابی صورت میں صرف دس روپے میں فروخت کئے جاتے ہیں۔

"وشنو چرتر" جاریہ سال میں شائع کی گئی۔ بابو لعل چند جی کی تصنیف ہے جس میں بھگوان وشنو کے متعلق ہندو عقیدوں کا نچوڑ پیش کیا گیا ہے۔ جس میں رگ وید اور اس کے بعد کی لکھی گئی کتابوں سے بھگوان کے تمام روپوں کے آسان اور سلیس زبان میں تذکرے کئے گئے ہیں۔ مصنف نے بڑے اختصار سے ۸۰ صفحات میں بھگوان وشنو کے اصولوں کی تشہیر کی ہے۔

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

پیام [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

ہماری زبان

یکم جولائی سنہ ۱۹۶۳ء

سنسکرت لازمی کیوں

قاضی عدیل عباسی صاحب نے اپنے ایک مضمون میں بستی کے ضلع پریشد کے ایک فیصلے کا حوالہ دیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ جہاں تک بستی کا تعلق ہے سہ لسانی فارمولے میں لازمی طور پر سنسکرت ضرور شامل ہوگی۔ یہ فیصلہ قطعی غلط ہے۔ اس سے اول تو طلبہ کا کوئی سی زبان جو وہ چاہتے ہیں لینے کا حق مجروح ہوتا ہے، دوسرے سنسکرت کو لازمی طور سے شامل کرنے سے لسانی اقلیتوں کو بڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ علاقائی اور سرکاری زبان ہندی اور عالمی زبان انگریزی تو طلبہ کو بہرحال لینا ہے، اب سنسکرت لازمی کر دی گئی تو اردو وہ کس طرح لے سکتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ اردو وہ اس کے علاوہ لیں تو اول تو یہ سہ لسانی فارمولا نہ رہا چہار لسانی فارمولا ہو گیا، دوسرے جب بستی کے ضلع پریشد کی طرح دوسرے پریشد اس قسم کے فیصلے کرنے لگیں گے تو اتر پردیش میں اردو تو اردو تامل، تیلگو، بنگالی بھی کوئی لینا چاہے تو نہ لے سکے گا۔ اگر لے بھی سکے تو یہ ایک بار ہوگا۔

جب دہلی میں ریاستوں کے وزرائے تعلیم کی کانفرنس ہوئی تھی تو اس میں واضح طور پر کہہ دیا گیا تھا کہ تیسری زبان کوئی جدید ہندوستانی زبان ہوگی جس کے ذیل میں سنسکرت نہیں آتی۔ اتر پردیش والے ہندوستانی زبان پر اصرار کر رہے تھے جس میں سنسکرت بھی آتی ہے۔ اتر پردیش کے وزیر تعلیم نے غالباً دہلی کی کانفرنس کے فیصلے کی تو کوئی مخالفت نہیں کی لیکن بعد میں یہ معلوم ہوا کہ اتر پردیش کے ارباب حل و عقد سنسکرت کو ضرور رکھنا چاہتے ہیں۔ خیر اگر کوئی سنسکرت لینا چاہتا ہے تو ضرور لے لے، مگر یہ بڑی زبردستی ہے کہ طلبہ سے پوچھے بغیر ضلع پریشد یہ طے کر دے یا ہیڈ ماسٹر صاحبان یہ فیصلہ کر دیں کہ ہم سہ لسانی فارمولے میں سنسکرت کا ہی انتظام کریں گے۔ یہ فارمولا جس مقصد کے لئے وضع کیا گیا تھا، وہ اس طرح کی زبردستی سے فوت ہو جاتا ہے۔ ہونا یہ چاہئے کہ ہیڈ ماسٹر صاحبان شروع جولائی میں طلبہ سے دریافت کریں کہ وہ کون کون سی تین زبانیں لینا چاہتے ہیں۔ انھیں کسی حال میں اپنی طرف سے کوئی شرط نہیں لگانا چاہئے کہ صرف انھیں زبانوں کا انتظام ہے۔ اردو اتر پردیش کی ایک اہم زبان ہے۔ اس کی آبادی کی ایک خاصی معقول اور اہم تعداد کی یہ مادری زبان ہے۔ اگر اردو لینے کی سہولت نہ ملی تو یہ نہ صرف سہ لسانی فارمولے کے ساتھ ایک مذاق ہوگا، بلکہ ریاستی تنظیم کمیشن، مرکزی وزارت داخلہ کے

کے اعلان، اتر پردیش کی حکومت کے اعلانات، لسانی اقلیتوں کے کمشنر کی سفارشات، قومی رہنماؤں کے بیانات سب کی خلاف ورزی ہوگی۔ ہمیں امید ہے کہ حکومت ایسے اقدامات نہ کرے گی جس سے ایک بڑی لسانی اقلیت کی حق تلفی ہوتی ہے۔ اردو دوستوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اخباروں میں بیانات دینے کے ساتھ اپنے حلقے کے اسکولوں میں ہیڈ ماسٹروں کے پاس طلبہ اور ان کے سرپرستوں کی طرف سے درخواستیں بھجوائیں کہ اردو کی تعلیم کا انتظام ضرور کیا جائے۔ اگر ہر ضلع میں بہت سے اسکولوں میں ایسی درخواستیں موصول ہوئیں تو حکومت کو اردو کی تعلیم کا انتظام کرنا ہی پڑے گا۔ اس کارروائی کی اطلاع وہ ریاستی اور مرکزی انجمن کو ضرور دیں اور اس کام میں اپنے علاقے کے قومی کارکنوں کا تعاون حاصل کریں۔ اس میں کوتاہی نہیں ہونی چاہئے۔

سیر بین

اب تک خواتین کو صنف نازک کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، اب ایک روسی خاتون نے کئی دن تک خلا کا چکر لگا کر ثابت کر دیا کہ عورتیں وہ کام کر سکتی ہیں جو بہت سے مردوں کے بس کا نہیں ہے۔ خلا کے ماہرین کا تو خیال یہ ہے کہ چاند تک سفر میں چونکہ بہت زیادہ قوت برداشت کی ضرورت ہوگی، اس لئے اس کے لئے عورتیں مردوں سے زیادہ مفید ہوں گی۔ لطف یہ ہے کہ اس چھبیس سالہ خاتون کے لئے اتنی تربیت کی بھی ضرورت نہ ہوئی جتنی مردوں کے لئے درکار تھی۔

چلئے مرد غریب کا ایک اور غرور ٹوٹ گیا اور اردو شاعری کے محبوب کا تصور پارہ پارہ ہو گیا۔ اب چغتائی آرٹ کی موہوم بلکہ موہوم عورت کی کون قدر کرے گا جس کی کمر تلاش کرنے میں عدم سے پرے کا سفر کرنا پڑے۔ اب ہمارے کلاسیکل شعرائے سراپا میں جو زور دیا ہے اس کی داد کون دے گا۔ اب اس محبوب کو کون پوچھے گا جس سے تلوار کا بوجھ بھی نہ اٹھایا جا سکے۔ اب دہن اور کمر کے عنوان پر مضمون آفرینی کون کرے گا۔ اب تو ایسے محبوب کی قدر ہوگی جس کا چہرہ فروغ مے سے نہیں خون کی صحت مندروانی سے گلنار ہو، جو نورجہاں کی طرح شیر افگن ہو، لکشمی بائی کی طرح میدان جنگ میں فوجوں کی قیادت کر سکے، جو ہوائی جہاز چلا سکے، مشینوں کی دیکھ بھال کر سکے اور صحیح معنی میں ہر میدان میں مردوں کے دوش بدوش کام کر سکے۔

ریاضؔ نے کیا مزے کا شعر کہا ہے ؎

اُٹھے کبھی گھبرا کے تو مےخانے کو ہو آئے
پی آئے تو پھر بیٹھ گئے یادِ خدا میں

اس شعر کی نئی تعبیر یہ ہو گی کہ بیٹھے بٹھائے کسی عورت کا جی گھبرایا تو اس نے سمندر بدھو کی لی اور منگل کی لی۔ گھر سے نکلی اور چاند پر پہنچ گئی۔ چند دن کے بعد آکر گھر بار یا ملازمت کے کاموں میں لگ گئی۔ جس طرح باتوں باتوں میں لوگ اپنے پہاڑ یا سمندر کے سفر کا ذکر کرتے ہیں، اسی طرح کچھ دن بعد کبھی چاند کے سفر کا ذکر ہوگا کبھی مریخ کی سیاحت کا۔ اقبالؔ نے غلط تو نہیں کہا ہے:

مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے　　مومن کا مقام ہر کہیں ہے

حیدرآباد میں مصنفین کا کیمپ

وزارت سائنٹفک ریسرچ اور ثقافتی امور کے جائنٹ سکریٹری مز ایچ جیتی ۱۹ر جون کو لیجسلیٹو ہوسٹل کے کمیٹی ہال میں مصنفین کے کیمپ کا افتتاح کریں گے۔ ہندوستان کی ہر زبان کے اردو مصنفین کو کیمپ میں شرکت کی دعوت دی گئی ہے۔ یہ لوگ متعلقہ مسائل پر بحث و مباحثہ کریں گے۔ ان میں سے ہر مصنف صبح کو ایک مقالہ پڑھے گا اور بعد دوپہر بحث میں شرکت بھی کرے گا۔ کیمپ ۲ر جولائی تک جاری رہے گا۔ اجلاس میں عام شرکت کی اجازت ہے۔ ہند سرکار کے اسسٹنٹ ایجوکیشنل ایڈوائزر شری ایس کے سہا اس کیمپ کے آرگنائزر ہیں۔

اُردو کو یو۔پی کی تیسری زبان تسلیم کیا جائے

بنارس کے اُردو ہفتہ کے سلسلے میں ندیسر میں بابو شنبھو ناتھ پرشاد کی صدارت میں ایک اجلاس ہوا۔ محمد صغیر عالم صاحب کنوینر نے اُردو ہفتے کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے یو۔پی میں سہ لسانی فارمولے کے مطابق اُردو کی تعلیم کی ضرورت کو واضح کیا۔ انجمن ترقی اُردو کے سکریٹری داتا رسول صاحب نے میونسپل اسکولوں میں اُردو تعلیم دلائے جانے کی کوششوں کے نتائج پر روشنی ڈالی اور امید ظاہر کی کہ اگلے تعلیمی سال سے تقریباً سب ہی اسکولوں میں اُردو پڑھائے جانے کا انتظام ہو جائے گا، اور کہا کہ اسی جدوجہد کے نتیجے میں عدالتوں میں اردو دستاویزات لی جانے لگی ہیں اور رجسٹری بھی ہونے لگی ہے۔

مولانا احمد مکرم نے اس بات پر زور دیا کہ اُردو پڑھنے والے مہیا کرنے کی ضرورت ہے، اس لئے حامیانِ اُردو کو چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں اپنے بچوں کو اُردو دلائیں۔

صدرِ جلسہ نے کہا اُردو اپنے ہی دیش کی ایک میٹھی اور اچھی زبان ہے جس نے زمانۂ قدیم سے اب تک ملک کی آزادی کی جدوجہد، قوم کی فلاح و ترقی اور آپس کے میل و محبت بڑھانے میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ اس کی بقا ہماری آزادی اور قوم پرستی کی بقا ہے۔ انھوں نے اپیل کی کہ اُردو کو سہ لسانی فارمولے میں تیسری زبان کی حیثیت سے اترپردیش میں تسلیم کرلیا جائے۔

مہاراشٹر میں جامعہ اُردو کے امتحانات

صوبہ مہاراشٹر میں جامعہ اُردو کے امتحانات کا انتظام و انصرام اراکین انجمن ترقی اُردو (شاخ) بمبئی نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اور اس سال یہ امتحانات انجمن کے زیرِ نگرانی ہوں گے۔ اس سلسلے میں ہر قسم کی معلومات مکتبہ جامعہ لمیٹڈ پرنسس بلڈنگ جے۔ جے ہسپتال بمبئی ۳ سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔

(اعجاز صدیقی۔ جنرل سکریٹری)۔

مدراس میں جامعہ اُردو کے امتحانات

مرکزِ ادب مدراس کی کوشش سے مدراس میں جامعہ اُردو، (علی گڑھ) کا سنٹر قائم ہو گیا ہے۔ چنانچہ سالِ رواں ہی سے بمقام جمالیہ ہائی سکول پرمبور (مدراس) پابندی کے ساتھ مذکورہ امتحانات ہوا کریں گے۔

نوٹ: فیس و فارم امتحان مکمل اندراجات کے ساتھ ۲۵ جولائی تک دفتر میں پہنچ جانا چاہیے۔

جملہ خط و کتابت کے لئے پتہ: کے ۔ اے ۔ اشرف۔ صدر مرکزِ ادب ۲۹۔ پونا پہ مدلی اسٹریٹ پرسواکم مدراس ۱۱۔

یومِ اقبال

۱۵ جون ۱۹۶۳ء بروز سنیچر بوقت ۸ بجے شب انجمن ترقی اُردو شاخ رودھناس کی طرف سے "یومِ اقبال" کے موقع پر ایک شاندار طرحی و غیر طرحی مشاعرہ ہوا جس کی صدارت کے فرائض جناب حسن اردو مسہر امی ایم۔ اے گولڈ میڈلسٹ نے انجام دئے۔ اقبال کی نظموں کے علاوہ مقالات بھی پڑھے گئے اس کے بعد مشاعرہ کا آغاز ہوا۔

(سید محی الدین احمد سکریٹری)

بدایوں کے ایک کُہنہ مشق شاعر کا انتقال

لکشمی نراین صاحب جوہر بدایوں کے چوٹی کے شعراء میں شمار ہوتے تھے۔ افسوس کہ وہ اس دارِ فانی سے چل بسے۔ جوہر مرحوم ایک پرانی وضع کے شریف طبیعت انسان تھے۔ آپ نے ۷۲ سال کی عمر پائی اور ساری عمر اُردو ادب کی خدمت میں لگے رہے۔ آپ کی تصانیف میں کئی کتابیں یادگار ہیں۔ آخری عمر میں آئینۂ جوہر کے نام سے اُن کے کلام کا ایک مختصر مجموعہ نظامی پریس بدایوں سے شائع ہوا ہے۔

(ذوالقرنین)

آفتاب شمسی

اندیشہ

رات کے گہرے سناٹے میں
میں گھر کے آنگن میں لیٹا
چاند کو کب سے دیکھ رہا ہوں
دل کی دیواروں کو کب سے
غم کی دیمک چاٹ رہی ہے
ذہن کے لمبے سے کمرے میں
بیتی یادوں کی الماری
جس کے دونوں ہی دروازے
غور سے مجھ کو دیکھ رہی ہے
جی میں یہ آتا ہے میرے:
یادوں کی اس الماری سے
جس میں بُری بھلی سب یادیں
اوپر نیچے چُنی ہوئی ہیں
چند سہانی کرنیں لے لوں
اور سجا لوں اپنے دل کو
پر یہ سوچ کے ڈر جاتا ہوں
غم کی دیمک ان یادوں کو
ایک ہی پل میں چاٹ نہ جائے
پھر میں ان یادوں کی شکلیں
آخر کیسے دیکھ سکوں گا!

سلام بن رزاق چنولی

طلوع

چاک ہو گیا دامن
رات کی سیاہی کا
غرق ہو گئے تارے
نور کے سمندر میں
صبح کی حسینہ نے
جامِ نور چھلکایا
دور اُفق کے ماتھے سے
نور کی کرن پھوٹی
روشنی میں کرنوں کی
اُس نے غسل فرمایا
کہہ دو ان اندھیروں سے
دور تک سمٹ جائیں
راستے سے ہٹ جائیں
صبحِ نو کی آمد ہے

غزلیں

جلال قریشی

نگارِ فکر بہارِ سخن ہمیں سے ہے
غرورِ عشق کا یہ بانکپن ہمیں سے ہے
جو ہم نہ ہوں گے تو پھر اس کا رنگ کیا ہوگا
یقین کر کہ تری انجمن ہمیں سے ہے
ہر ایک سوچ کو بخشی ہے زندگی ہم نے
جلالِ عظمتِ گنگ و جمن ہمیں سے ہے
ہمیں نے دار پہ چھیڑا ہے نغمۂ منصور
خرد کی بزم میں دیوانہ پن ہمیں سے ہے
زمانہ جانتا ہے خالقِ بہار ہیں ہم
گلوں کا حسن شبابِ چمن ہمیں سے ہے
یہ اور بات ہے تجھ کو نہ اعتبار آئے
ترے جہاں میں وفا کا چلن ہمیں سے ہے
ہمیں نے سازِ دل و جاں پہ اس کو گایا ہے
جلالؔ نغمۂ حسنِ وطن ہمیں سے ہے

خرد غوث پوری

صدائے حق کے لئے آج بھی زمانے میں — رسن ہے دار ہے زنداں ہے دیکھئے کیا ہو
چلی ہیں آندھیاں شمعِ حیات گل کرنے — چراغِ عزم فروزاں ہے دیکھئے کیا ہو
بھری بہار میں جس نے کہ آشیاں پھونکا — وہی چمن کا نگہباں ہے دیکھئے کیا ہو
کسی کے حصے میں کانٹے کسی کے لالہ و گل — یہ خوب نظمِ گلستاں ہے دیکھئے کیا ہو
وہ جس نے بخیہ گری کی جہاں میں اوروں کی — اُسی کا چاک گریباں ہے دیکھئے کیا ہو

ممتاز راشد اجمیری

اُن کے عارضِ تاباں جب بھی یاد آئے ہیں
ذہن کے دریچوں میں دیپ جگمگائے ہیں
درد و غم کے کچھ شعلے چند خار یادوں کے
گل رُخوں کی بستی سے ہم خرید لائے ہیں
ظلمتِ حوادث میں چاند بن کے اُبھریں گے
وقت کی خلاؤں سے ہم گذر کے آئے ہیں
ہم وہ راہرو ہیں جو زندگی کی راہوں میں
جس طرف سے گزرے ہیں نقش چھوڑ آئے ہیں

زوار حسین احمر

عہدِ حاضر کا جادو جگا لے — یادِ ماضی میں سر کو دھننے والے
نو عروسِ سحر جاگ اُٹھی ہے — نوحہ خواں ہیں اندھیروں کے پالے
قلبِ تیرہ کو شمعِ یقیں کے — راس آتے نہیں ہیں اُجالے
دیکھ کر حوصلہ میرا ہمدم — مسکراتے ہیں تلووں کے چھالے
صلحِ کل خود فریبی ہے احمر — جس کا جی چاہے وہ آزمالے

سلطان احمد سابق مدیر اتحاد پٹنہ

آزاد کا بچپن اور تحریکِ اُردو

پیدائش نے احمد پکارا، خاندان نے محی الدین کہا اور عرفِ عام میں ابوالکلام مشہور ہوئے۔ مگر افتادِ طبع کا نام آزاد تھا ؎

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

مکۂ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ بچپن کے تقریباً دس سال وہیں گزرے۔ زبان عربی اور نطق ہندی، اب ذہانت، کیا پوچھو؟ جب علم و فضیلت کے گہوارے میں آنکھ کھلی اور دیکھا تو ادراک و احساس ہاتھ باندھے کھڑے تھے اور شعور و وجدان آمادۂ تسلیم۔ نظر اتنی تیز نکلی کہ ارادے اور منصوبے پسماندہ رہ گئے۔ دس سال جو طفولیت کے ہمدوش ہوں صرف دیکھنے سننے میں بیت جاتے ہیں اور یہاں فراغت و تکمیل کی حدوں کو پہنچے۔ غرض دین کا یہ قافلہ خیر عرب سے ہندوستان لوٹا مستقر بمبئی ہوا کلکتہ؟ باپ کے سامنے بیٹے کی ارجمندی اور فیروز بختی کے آثار نمایاں تھے۔ اس ناصیۂ جمال کا ستارۂ اقبال بھی آفتاب کی طرح مشرق سے نمودار ہوا۔ ابھی قیام کلکتہ کو صرف چند دن گزرے تھے کہ :

طلوعِ صبحِ محشر چاک ہے میرے گریباں کا ’نعرہ بلند ہوا۔ ابتدائی حالات کا بیان کتنا دلچسپ ہے۔ خود ان کی زبانی سُنیئے، فرماتے ہیں :

لوگ لڑکپن کا زمانہ کھیل کود میں بسر کرتے ہیں۔ مگر بارہ، تیرہ برس کی عمر میں میرا یہ حال تھا کہ کتاب لے کر کسی گوشے میں جا بیٹھتا، اور کوشش کرتا کہ لوگوں کی نظر سے اوجھل رہوں۔ کلکتہ میں آپ نے ڈلہوزی اسکوائر ضرور دیکھا ہوگا ’جنرل پوسٹ آفس کے سامنے واقع ہے۔ اسے عام طور پر لال ڈگی کہا کرتے تھے۔ اس میں درختوں کا ایک جھنڈ تھا کہ باہر سے دیکھئے تو درخت ہی درخت ہیں۔ اندر جایئے تو اچھی خاصی جگہ ہے اور ایک بنچ بھی بچھی ہوئی ہے۔ معلوم نہیں ’اب یہ جھنڈ ہے یا نہیں؟ جب میں سیر کے لئے نکلتا تو کتاب ساتھ لے جاتا۔ اور اس جھنڈ کے اندر بیٹھ کر مطالعہ میں غرق ہو جاتا۔ والد مرحوم کے خادم خاص حافظ ولی اللہ مرحوم ساتھ ہوا کرتے تھے۔ وہ باہر ٹہلتے رہتے تھے۔ اور جھنجھلا جھنجھلا کر کہتے ”اگر تجھے کتاب ہی پڑھنی تھی تو گھر سے نکلا کیوں“ یہ سطریں لکھ رہا ہوں اور ان کی آواز کانوں میں گونج رہی ہے۔ دریا کے کنارے ایڈن گارڈن میں بھی اس طرح کے کئی جھنڈ تھے۔ ایک جھنڈ جو برمی پگوڈا کے پاس مصنوعی نہر کے کنارے تھا۔ اور شاید اب بھی ہو، میں نے چن لیا تھا۔ کیونکہ اس طرف لوگوں کا گزر بہت کم ہوتا تھا۔ اکثر سہ پہر کے وقت کتاب لے کر نکل جاتا۔ اور شام تک اس کے اندر گم رہتا۔ اب وہ زمانہ یاد آتا ہے تو دل کا عجیب حال ہوتا ہے! ۱۹۳۶ء میں ایک صحافی کو ان حالات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

غالباً ۱۹۰۰ء یا ۱۹۰۱ء کی بات ہے کہ بمبئی سے حکیم عبد الحمید فرخ نے جو پنج بہادر نکالا کرتے تھے۔ ایک گلدستہ ’ارمغان فرخ‘ کے نام سے نکالا اور کلکتہ میں بعض شعراء اس کی ماہوار طرحوں پر مشاعرہ کرنے لگے۔ ایک مرتبہ اسکی طرح تھی۔ ع پوچھی زمین کی تو کہی آسمان کی جیسے گیارہ شعر کی غزل لکھی تین شعر ان مزخرفات کے اب تک ذہن نے ضائع نہیں کئے ہیں :

نشتر بدل ہے آہ کسی سخت جان کی
نکلی صدا تو فصد کھلے گی زبان کی
گنبد ہے گردباد تو ہے شامیانہ گرد
شرمندہ میری قبر نہیں سائبان کی
آزاد بیخودی کے نشیب و فراز دیکھ
پوچھی زمین کی تو کہی آسمان کی

یہ اشعار اب کس قدر لغو معلوم ہوتے ہیں لیکن اس وقت انہیں لغویات نے مسحور کر دیا تھا۔ آج بھی جبکہ ۳۶ سال گزر چکے ہیں۔ اپنی وہ خوشی پوری طرح محسوس کر رہا ہوں، جو مجھے اس وقت محسوس ہوئی تھی جب ارمغان فرخ میں یہ غزل چھپ کر آئی تھی اور زندگی میں پہلی بار اپنا نام رسالے میں چھپا ہوا دیکھا تھا۔ انھیں دنوں کا ذکر ہے۔ علامہ شوق نیموی لکھنوی کی علمی فتوحات کے بعد جب نواب کلب علی خاں والیٔ رام پور کے خلعت فاخرہ سے سرفراز ہوئے تو مزید تحقیقات کی غرض سے وہ ایشیاٹک سوسائٹی کی چھان بین کرنے کلکتہ پہنچے۔ اس وقت ہندوستان میں شعر و شاعری کا سخت چرچا تھا اور امیر و داغ، جلال و تسلیم اور شمشاد و شوق کا ہر جگہ تذکرہ تھا خصوصاً کلکتہ میں دن کے ہنگاموں کے بعد اس کی پرسکون راتیں انہیں تذکروں سے الف لیلیٰ بنی ہوئی تھیں۔ مٹیا برج، کولوٹولہ، مچھوا بازار اور امر تلہ لین کی صحبتیں جن نوجوانوں کے دم قدم سے قائم تھیں۔ ان میں تقدس مآبی اور وجاہت خاندانی سے قطع نظر، زبان اُردو کی ہمہ گیریوں میں غلام یٰسین آہ اور محی الدین آزاد کی وارفتگیوں کا یہ حال تھا کہ اس شہر کا کوئی نو وارد یا مسافر بھی ان کی سرگرمیوں سے بچ نکلے۔ یہ ممکن نہ تھا۔ بھلا علامہ شوق نیموی کی شخصیت ان کی گرفت سے کیونکر نکل سکتی تھی۔ جناب شوق اپنی کتاب سیر بنگال میں لکھتے ہیں :

> ”۱۰ محرم ۱۳۲۰ھ مطابق شنبہ ۱۹ اپریل ۱۹۰۲ء کو مچھوا بازار میں باہتمام جناب منشی تصدق حسین صاحب ایک اُردو لائبریری قائم کرنے کی غرض سے ایک جلسہ قائم ہوا۔ جس کا صدر انجمن میں منایا گیا۔ جناب مولوی غلام یٰسین آہ و مولوی غلام محی الدین آزاد وغیرہ حضرات نے نہایت سلاست کے ساتھ اغراض جلسہ کو بیان فرمایا۔“

آپ سمجھے، یہ مولوی محی الدین آزاد جن کی تقریر کا صدر جلسہ نے ذکر کیا۔ کون بزرگ ہیں اور اغراض جلسہ کے پیش نظر ’سلاست بیان کی یہ سند کیا حیثیت رکھتی ہے؟ یہ ہندوستان کے اس نامور خطیب کی پہلی عوامی تقریر تھی جس کے متعلق اقرار ہے کہ ”اس وقت عمر پندرہ سال تک پہنچی تھی۔ اور غالباً دوسرے سال انجمن حمایت الاسلام (لاہور) کے جلسے میں شریک ہوا تھا۔“

آزادِ گرامی کے ان ابتدائی حالات میں ’جو امر ہماری خاص توجہ کا طالب ہے۔ وہ یہ کہ عنفوان شباب سے آخری زمانۂ حیات تک، یا یوں کہیے کہ جس مقصد کے لئے اس مردِ خدا نے پہلی مرتبہ عوام کے سامنے اپنی زبان کھولی۔ ذرا عقیدے کی پختگی اور عزم کی لگن دیکھو کہ حیات مستعار کو جان آفریں کے سپرد کرنے سے پہلے بھی جو آخری تقریر فرمائی۔ وہ اسی تحریک اُردو کی ترقی اور ہمنوائی کی خاطر تھی۔ غالب کے نزدیک وفاداری کی یہی وہ شرط ہے جو بلادلیل و حجت ایمان کی نشانی ہے ؎

وفاداری بشرطِ استواری عین ایماں ہے
مرے بتخانے میں تو کعبے میں گاڑو برہمن کو

قاضی محمد عدیل عباسی

سہ لسانی فارمولا

اُردو اور سنسکرت

چوں یک گرہ کشائیم تدبیر دا نمائیم
گرہے وسخت گرہے کارے وسخت کارے

کوئی دن شاید ہی ایسا گزرتا ہو جب اس ریاست اتر پردیش پر آفتاب طلوع ہوا ہو، اور اپنے ساتھ اُردو کے لئے ایک تازہ مصیبت اور اُردو والوں کے لئے ایک نیا سامان ابتلا، آزمائش اور امتحان کا نہ لایا ہو۔ پندرہ سال محبانِ اُردو نے نہایت کسر نفسی اور سنجیدگی سے اپنا موقف سمجھانے اور اس کے لئے دلائل و شواہد پیش کرنے کے لئے صرف کئے، تاریخ اور منطق دونوں کی شہادتیں جمع کیں مگر سب بے سود۔ پنڈت کشن پرشاد کول۔ گوپی ناتھ امن، پنڈت سندلال، رگھوپت سہائے فراق، آنند نرائن ملا۔ کس کس کے نام گنائے جائیں۔ اور سب سے زیادہ خود پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم ہند نے اس مکدر فضا کو صاف کرنے کی کوشش کی، لیکن یوپی گورنمنٹ کا رویہ نہ تبدیل ہونا تھا نہ ہوا۔ یہ سوچنا کہ ریاست اتر پردیش میں گورنمنٹ کی باگ ڈور کس کے ہاتھ میں رہتی ہے، کون سریر آرائے حکومت ہوتا ہے بے معنی ہے، کیونکہ اُردو کے بارے میں پالیسی غیر متبدل ہے۔ کبھی ۱۔ ۱۔ اور ۳ کے فارمولے کے بارے میں علحدہ آمدنہ ہونے کا الزام سرپرستوں کے سر ڈال دیا، کبھی اُردو کو انگریزی سے لڑا دیا، کبھی کسی مجموعۂ مضامین سے اُردو کو خارج کر دیا اور اس طرح اُردو کی تعلیم سال دو سال ٹال دی۔ اور جب بہت شور و غل کیا گیا تو حکم منسوخ کر دیا اور پھر کوئی دوسری پیچیدگی پیدا کر دی اسی طرح یہ لیل و نہار گزر رہے ہیں گویا کہ ان لوگوں سے جو اُردو پڑھنا چاہتے ہیں یہ کہا جاتا ہے کہ دیکھیں تم کب نہیں جھکتے ہو اور سپر نہیں ڈال دیتے ہو۔

اور یہ سب کن حالات میں ہو رہا ہے جب کہ اُردو والے نہایت سنجیدگی اور نہایت دیانت داری سے صرف اتنا چاہتے ہیں کہ اُردو جو ہندوستان میں پیدا ہوئی یہیں پلی، اور پروان چڑھی اور ہمیشہ قومیت، وطنیت، آزادی اور اتحاد کے ترانے گاتی رہی اور اپنا ایک ایسا لٹریچر تیار کیا جو کسی قوم کے لئے سرمایۂ افتخار ہو سکتا ہے صرف زندہ رہ جائے۔ ۱۹۴۷ء کے پہلے جو کچھ رہا ہو ۱۹۴۷ء کے بعد اس نے ہندی سے ہمسری کا دعویٰ نہیں کیا، ہندی کو سرکاری زبان تسلیم کیا اور صدق دل سے تسلیم کیا۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ اُردو والوں نے اپنا جو مطالبہ تیار کیا تھا، اور جس موقف پر وہ ڈٹے وہ اتنا کم تھا کہ جب یک زبانی صوبوں کے قیام کے لئے ریاستوں کی از سر نو تشکیل کا کمیشن بیٹھا اور اس نے سارے ہندوستان کا دورہ کر کے اسے ناقابلِ عمل قرار دیتے ہوئے دو زبانی اور سہ زبانی صوبوں کی سفارش کی تو اس میں لسانی اقلیتوں کو جو حقوق دئے گئے تھے وہ ہمارے مطالبات سے کہیں زیادہ تھے۔ اس کمیشن کی سفارشات کو پارلیمنٹ نے منظور کر لیا لیکن پھر بھی محبانِ اُردو اپنی جگہ قائم ہے اور انھوں نے اپنے موقف میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی۔

ہم کیا چاہتے ہیں؟ صرف اتنا کہ ہندی کو سرکاری زبان قرار دیتے ہوئے اور ابتدائی پرائمری درجات کے بعد ہندی کو ذریعہ تعلیم رکھتے ہوئے ہم کو پرائمری تک اُردو بطور زبان اول اور درجہ ۶ سے اُردو بطور زبان دیگر پڑھنے کی اجازت ہو۔ کل سرکاری کام ہندی میں ہو لیکن اگر کوئی اُردو میں درخواست دے تو وہ قبول کر لی جائے۔ کیا دنیا کی تاریخ کوئی ایسی مثال پیش کر سکتی ہے جس میں ان حالات میں جو ریاست اتر پردیش میں تھے اور ہیں اُردو جیسی زبان کے دوستوں نے اتنا قلیل مطالبہ پیش کیا ہو؟ لیکن جمہوریت، سوشل جسٹس، مساوات، یکساں مواقع کے نعرے لگانے والے اُردو کے معاملے میں سب کچھ فراموش کر جاتے ہیں، پنڈت جواہر لال نہرو کی ہاں میں ہاں ملا دیتے ہیں پھر عمل اس کے خلاف کرتے ہیں۔

شاید یوپی گورنمنٹ نے یہ اندازہ کر لیا ہے کہ گورنمنٹ آف انڈیا کہاں تک دباؤ ڈالے گی اور اُردو والے کہاں تک صبر و استقامت ظاہر کریں گے۔ پھر ایک عجیب حربہ یہ ہے کہ کہو کچھ اور کرو کچھ۔ ایک عرصے تک گورنمنٹ کہتی رہی کہ ثابت کیجئے کہ اُردو پڑھائی نہیں جا رہی ہے اُردو والوں نے بڑے بڑے جتن کئے جن کی داستان طویل ہے مگر ایک نمایاں حقیقت ثابت نہ ہو سکی۔ چنانچہ اب سہ لسانی فارمولے کے سلسلے میں اسی قسم کی باتیں ہو رہی ہیں حیلے تراشے جا رہے ہیں، التوا کیا جاتا ہے۔ اور کل غرض یہ ہے کہ جائز یا ناجائز کسی ذریعے سے سنسکرت کو سہ لسانی فارمولے میں شامل کر کے اُردو کو یا تو بالاعلان یا تدبیر سازی سے ختم کر دیا جائے۔ چند ہی روز کے اندر وزیر تعلیمات حکومت ہند شری ترویدی نے دو اعلانات کئے ایک تو اس جلسے کی کارروائی کے نتیجے کا اعلان تھا جو سہ لسانی فارمولے کے بارے میں ان کی صدارت میں منعقد ہوا تھا اور جس میں دیگر وزرائے تعلیمات کے ساتھ وزیر تعلیم ریاست اتر پردیش بھی موجود تھے اور وہ اعلان یہ تھا کہ سنسکرت اس میں شامل نہیں ہے اور چند ہی روز کے بعد دوسرا اعلان یہ ہوا کہ حکومت اتر پردیش اسے تسلیم نہیں کرتی ہے اور سنسکرت کو شامل کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ چنانچہ اب جو فارمولا مرتب ہو رہا ہے اس میں یہ طے کیا جا رہا ہے کہ دستور کی چودہ زبانوں کو اس میں شامل رکھا جائے۔ یہ ایک کھلا ہوا دھوکہ ہے اور اس کی صرف یہ غرض ہے کہ اس طرح بالواسطہ سنسکرت سہ لسانی فارمولے میں آ جائے اور پھر بہت سے جائز اور ناجائز راستوں سے سنسکرت کو جبر عائد کر کے اُردو کو جلاوطن کر دیا جائے۔

سہ لسانی فارمولا کی تاریخ

سہ لسانی فارمولے پر کافی بحثیں ہو چکی ہیں اور اس کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو سامنے نہ آ چکا ہو۔ سہ لسانی فارمولے کا منشا یہ تھا کہ درجہ ۶ میں جو لڑکے داخل ہوں وہ تین زبانیں پڑھیں۔ اس کی

تاریخ یہ ہے کہ جب دکن سے ہندی کے خلاف زیادہ شورش بپا کی تو باہمی تعاون و اتحاد و قومی یکجہتی کی ترقی کے لئے وزرائے اعلیٰ کی ایک کانفرنس ہوئی اور اس میں ایک فارمولا تین زبانوں کے بارے میں کچھ عجیب مبہم الفاظ میں طے ہوا اصل منشا تو یہ تھا کہ دکن کو ہندی پڑھنے اور اپنانے کی جانب راغب کرنے کے لئے شمال کے لوگ دکن کی کوئی زبان پڑھیں یقین تھا کہ اس کا نفسیاتی اثر ہوگا اور جو تناؤ روز بروز بڑھتا جا رہا ہے وہ کم ہو جائے گا۔ اب ظاہر ہے کہ مادری زبان اُردو رکھنے والے اتر کے لوگوں کو ہندی اور انگریزی تو پڑھنی ہی ہے۔ ہندی اس لئے کہ وہ یہاں کی علاقائی زبان ہے اور انگریزی بہر حال علوم جدیدہ کی اعلیٰ تعلیمات کے لئے ضروری تصور کی جاتی ہے اس لئے اگر ایک زبان دکن کی تامل تیلگو وغیرہ میں سے اختیار کر لی جاتی ہے تو اُردو غائب ہو جائے گی۔ لیکن اس مسئلے کی جانب کسی نے توجہ نہیں کی۔ ایک عرصے سے یہ رواج ہو گیا ہے کہ اُردو کو ہر موقع پر فراموش اور نظر انداز کر دیا جاتا ہے چنانچہ وزرائے اعلیٰ کی کانفرنس سے جب شری سی بی گپتا واپس ہوئے تو کسی اخباری نمائندے نے ان سے سوال کیا کہ اُردو کے بارے میں کیا ہوا تو انھوں نے جواب دیا کہ اُردو کا تو کوئی ذکر ہی نہیں آیا۔ یہ ہے ان بلند بانگ دعووں کی حقیقت جن میں اُردو کو اس کا جائز مقام دینے پر وقتاً فوقتاً زور دیا جاتا ہے۔

سنسکرت کا احیاء

اس کے بعد اس ریاست کے ایک کافی بیدار اور ذہین طبقے نے اس امر پر زور دینا شروع کیا کہ تیسری زبان سنسکرت قرار دی جائے۔ مقصد یہ تھا کہ اُردو کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے اور اُردو دشمنی میں وہ تمام اصول و اغراض فراموش کر دئیے گئے جن کے لئے سہ لسانی فارمولے کی تعمیر ہوئی تھی۔ اس سے قبل الہ آباد ہائی کورٹ کے مشہور وکیل جو ۱۹۳۷ء میں اپنی وکالت ترک کر کے وزیر ہوئے تھے یعنی ڈاکٹر کیلاش ناتھ کاٹجو یہ کہا کرتے تھے کہ سنسکرت کو بطور لازمی مضمون کے ہر بچے کو پڑھانا چاہئے مگر اسے لوگ ایک ایسی صدا تصور کرتے تھے جو صدا بصحرا سے زیادہ نہ تھی۔ اگر غور کیا جائے تو یہ مقام کتنا حیرتناک معلوم ہوگا کہ وہ سنسکرت زبان جسے برہمنوں نے اپنی خالص زبان تصور کر رکھا تھا اور جس کے لئے منو سمرتی میں شودر وغیرہ کے پڑھنے پر سخت تعزیرات مقرر تھیں جسے ایک پوتر اور مقدس زبان سمجھا جاتا تھا اور جس میں وید اور شاستر اور ہندو مذہب کا پورا لٹریچر ہے وہ آج اس طرح عام کی جا رہی تھی کیا کوئی انقلاب چرخ گردوں اس سے زیادہ تعجب خیز ہو سکتا ہے؟ سوال کیا جا سکتا ہے کہ ایسا آخر کیوں ہو رہا تھا اور اس کے پیچھے کونسا جذبہ کارفرما تھا؟ اس کے لئے ہمیں کچھ اور واقعات پر غور کرنا ہوگا جب ہندوستان دو حصوں میں تقسیم ہو گیا اور پاکستان بن گیا تو چونکہ مسلم لیگ نے بٹوارے کا مطالبہ دو قومی نظریہ کی بنیاد پر کیا تھا اس لئے جو چار پانچ کروڑ مسلمان ہندوستان میں رہ گئے تھے اور جن کو مسٹر جناح نے ان کی تقدیر کے حوالے کر دیا تھا ان سے وفاداری کا مطالبہ شروع ہوا اور صراحت میں یہ دریافت کیا جانے لگا کہ آیا وہ ہندوستان کے تمام باشندوں کو ایک قوم تصور کرتے ہیں؟ جب بیچارے مسلم لیگ والوں نے ایک قومی نظریے کے عقیدے پر اقرار باللسان کے ساتھ تصدیق بالقلب کا بھی اقرار کیا تو راجہ رشی شری پرشوتم داس ٹنڈن نے ایک قوم ایک کلچر کا نعرہ لگایا اور اس طرح ضمناً اُردو سے برءیت کامل کا مطالبہ کیا۔ اور نتیجے میں اُردو دشمنی کا ایک مثبت نظریہ تیار ہوا۔ اور چونکہ ڈاکٹر کاٹجو ٹنڈن جی کے شاگرد تھے یا کم سے کم اس کا اعلان فرمایا کرتے تھے کہ انھوں نے ٹنڈن جی کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کی ہے اس لئے انھوں نے سنسکرت کا نعرہ لگایا تھا۔ اس طرح اُردو کو وطن سے خارج کرنے میں بڑی آسانی پیدا ہو سکتی تھی، اسی کے ساتھ ہندو مذہب کے احیاء جدید کا جو جذبہ پیدا ہو چکا تھا اسے تقویت حاصل ہوتی تھی بس ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ سنسکرت کو رواج دینے میں نہ سنسکرت سے محبت کارفرما تھی اور نہ اس سے بچوں کی ذہنی و دماغی ترقی مقصود تھی بلکہ اسے صرف اُردو کو مٹانے کے لئے نامزد کیا جا رہا تھا مگر جیسا کہ ہر تحریک میں ہوتا ہے ابھی ذہن صاف نہیں ہوئے تھے سہ لسانی فارمولے کے عالم وجود میں آنے کے بعد یہ بات واضح ہوئی کہ اگر تیسری زبان سنسکرت رکھ دی جائے تو اُردو کو صفحۂ ہستی سے مٹایا جا سکتا ہے اور پھر یہ کوشش شروع ہوئی کہ کس طرح اسے منوایا جائے اُردو دشمنی کے پردے میں یہ بات بھی ہے کہ اُردو میں مسلمانوں کی تمام مذہبی کتابیں منتقل ہو چکی ہیں اور اگر کوئی لڑکا اُردو پڑھ لے تو امکان اس بات کا ہے کہ وہ اپنی مذہبی روایات و تاریخ و مسائل تفسیر و حدیث و فقہ سے واقفیت حاصل کر سکتا ہے۔ اُردو دشمنی کے ساتھ ہندو مذہب کے احیاء جدید کا جو جذبہ چل رہا تھا اس کا بھی تقاضا یہ تھا کہ اُردو کو فنا کر دیا جائے تاریخ کے شواہد، نمایاں واقعات، عظیم دانشوروں کے اعلانات کہ اُردو ہندو اور مسلمان کا مشترکہ سرمایہ ہے ان لوگوں کے لئے کوئی حقیقت نہ رکھتے تھے تو صرف اس قدر کہ کس طرح بلا بحث و جدال بلا وقت ضائع کئے حکمت عملی اور تدبیر سازی سے اپنے مقصد کو حاصل کر لیا جائے۔

(باقی)

اُردو، ناگری اور رومن خط میں

مشفقی تسلیمات۔ گنڈگل صاحب کے اعتراضات کے متعلق آپ کا کارڈ اور ہماری زبان کا پرچہ ملا۔ شکریہ۔ آپ جب لکھتے ہیں تو خوب لکھتے ہیں۔ آپ نے بڑا وزنی شکل جواب دیا ہے۔ کاش یہ انگریزی میں ہوتا۔ تشہیر کی خاطر کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ ہماری زبان میں آپ کے خاص مضامین ناگری رسم خط یا انگریزی (خلاصہ) کی صورت میں شائع ہوا کریں۔

حال میں بعض ہندی پرست دوستوں نے یہ تحریک شروع کی ہے کہ اُردو ناگری رسم خط اختیار کرلے ورنہ یہ مُردہ ہوجائے گی۔ میرا یہ ہمیشہ سے خیال ہے کہ اُردو ناگری اور رومن میں لکھی جاسکتی ہے اور انجمن کو OFFICILLY ان کو تسلیم کرلینا چاہیئے، یہ اردو کی نمایاں خصوصیت ہوجائے گی کہ اس کے تین مختلف رسم خط ہوں گے۔

(مخلص۔ سجاد مرزا)

"مکتوب مولانا قمر بدایونی"

۱۵ر جون ۶۳ء کے "ہماری زبان" میں رئیس صاحب مینائی (بنگلور) کا مرسلہ "مکتوب مولانا قمر بدایونی" شائع ہوا ہے۔ رفع التباس کی غرض سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مولانا قمر بدایونی ایک دوسرے بزرگ (منشی قمر الحسن قمر شاگرد راسخ دہلوی) تھے جن کے انتقال کو تقریباً ۲۲ سال ہوئے اور جن کی خبر وفات سُن کر فانی مرحوم نے بے ساختہ کہا تھا۔

اُٹھ گئے دنیا سے فانی اہلِ ذوق ایک ہم مرنے کو زندہ رہ گئے

قمر صاحب مرحوم شعر میں معاملہ بندی اور زبان کے اُستاد تھے اور فنی مسائل پر اچھی نظر رکھتے تھے۔ وہ مطبوعہ دیوان اور متعدد رسالے ان سے یادگار ہیں۔

ان کے برخلاف جن صاحب کی شخصیت اور شاعری پر بابو دیویندر پرشاد سکسینہ بدایونی نے مضمون لکھا ہے وہ مولوی قمرالدین احمد بدایونی (بی اے بی ٹی ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر) مصنف "بزم اکبر" و "محفل عزیز" ہیں۔ موصوف بھی علمی و ادبی حلقوں میں کافی شہرت رکھتے ہیں اور بفضلہٖ بقید حیات ہیں۔

(ضیاء احمد بدایونی)

"اجمیر کا پہلا اُردو اخبار"

۱۵ر جون ۶۳ء کے اخبار ہماری زبان میں سید فضل المتین صاحب کا مضمون بعنوان "اجمیر کا پہلا اُردو اخبار" نظر نواز ہوا۔ اس میں اخبار "خیر خواہ خلق اجمیر" کو صوبۂ راجستھان کا اولین اخبار بتایا گیا ہے۔ صاحب مضمون کی یہ واقفیت "بھارت میں اردو صحافت کی تاریخ و ترقی" مطبوعہ ہماری زبان ۲۲ر اکتوبر سنہ ۱۹۶۱ء پر مبنی ہے جو صحیح نہیں۔ اسی طرح "تذکرۂ شعرائے راجستھان" میں "نیو راجستھان" کو راجستھان کا اولین اخبار بتایا جانا تسامح سے خالی نہیں کیونکہ اس صوبے کا اولین اخبار ۱۸۵۲ء میں بھرت پور سے شائع ہوا تھا۔ اس اخبار کا نام "مظہر العجائب" تھا جو بھرت پور میں واقع اسی نام کے مطبع میں اشاعت پذیر ہوا کرتا تھا۔ اس وقت سارے ہندوستان میں صرف سات آٹھ اخبار اور سات آٹھ مطبع تھے جن میں بھرت پور کے نام بُردہ اخبار و مطبع بھی شامل ہے۔ دتاسی نے اپنے ابتدائی خطبوں میں اس اخبار و مطبع کا ذکر کیا ہے۔

اخبار "مظہر العجائب" کے ایک دو شمارے راقم سطور کے کتب خانے میں موجود ہیں مگر اس وقت وہ سامنے نہیں، اس لیئے مزید تفصیلات پیش کرنے سے قاصر ہوں۔ کیونکہ علیل ہونے کے باعث بسلسلۂ علاج وطن سے کوسوں دور بھوپال میں مقیم ہوں۔ بشرط زندگی وطن پہنچ کر ان شماروں کی تفصیل پیش کرسکوں گا۔

دتاسی نے خیر خواہ خلق کو اس علاقے کا پہلا اخبار بتایا ہے اس سے مراد وہ خطہ ہے جو انگریزوں کے زیر اقتدار تھا اور جہاں بیٹھ کر وہ راجستھان پر کنٹرول کیئے ہوئے تھے۔ نقشے میں یہ علاقہ اسی جہت سے سُرخ رنگ سے دکھایا جاتا رہا ہے جو مقبوضات برطانیہ کا مقررہ رنگ تھا۔

قطع نظر ان بحثوں کے صرف تاریخ اجرا سے بآسانی معلوم کیا جاسکتا ہے کہ کون سا اخبار اولین اخبار ہے۔ اس کا مفصل ذکر دتاسی کے یہاں پایا جاتا ہے۔ (قاضی سراج دھولپوری)

---

[1] سال کے یہ اعداد بربنائے یادداشت تحریر کیئے گئے ہیں۔ ان کی مزید تصدیق خطبات دتاسی سے کرلی جائے تو مناسب ہے۔

جمعیۃ علماء کانفرنس اور سہ لسانی فارمولا

جمعیۃ علماء کانفرنس منعقدہ میرٹھ نے حسب ذیل
تجویز لسانی فارمولے سے متعلق منظور کی ہے :

جمعیۃ علمائے ہند کا یہ اجلاس عام سہ لسانی فارمولے کے اصول کو تسلیم کرتا ہے۔ اور اس کے اس مقصد سے بھی متفق ہے کہ اس کے ذریعے سے ملکی اور بین الاقوامی رشتہ قائم ہو اور قومی یکجہتی اور ہم آہنگی ترقی کرے۔ لیکن اس سلسلے میں صوبائی حکومتوں خصوصاً حکومت یو۔پی نے جو رویہ اختیار کر رکھا ہے وہ حیرت انگیز بھی ہے اور ناقابل فہم بھی۔

سنسکرت جس کو حکومت یو۔پی اس فارمولے میں داخل کر رہی ہے نہ قومی یا بین الاقوامی زبان ہے نہ ماڈرن لینگویج ہے اس لئے سہ لسانی فارمولے کا مقصد اور منشا پورا نہیں ہو سکتا۔

اجلاس کو سخت حیرت اور افسوس ہے کہ اُردو جو پورے یو۔پی کے گلی کوچوں اور بازاروں میں بولی جاتی ہے اور قومی یکجہتی اور جذباتی ہم آہنگی جس کی فطرت ہے اس فارمولے میں اس کو جگہ نہیں دی جا رہی ہے بلکہ مختلف تدبیروں اور رکیک تاویلوں سے اس کا گلا گھونٹا جا رہا ہے۔

یہ اجلاس سہ لسانی فارمولے کے مقصد اور منشا کو سامنے رکھ کر تمام محبان اُردو کی ترجمانی کرتے ہوئے مطالبہ کرتا ہے کہ سہ لسانی فارمولے میں تیسری زبان کے متعلق صحیح تصریح کر دی جائے کہ "اُردو یا جنوبی ہند کی کوئی مادری زبان ہے"

یہ اجلاس یہ بھی مطالبہ کرتا ہے کہ جن اسکولوں یا مکتبوں میں ہندی یا اُردو پڑھائی جاتی ہو سہ لسانی فارمولے کے تحت ان کو منظور کیا جائے اور ان کو منظور کرنے یا ان کے الحاق کو باقی رکھنے کے لئے کسی اور زبان کی شرط نہ لگائی جائے۔

یہ اجلاس مندرجہ ذیل حضرات کی کمیٹی بناتا ہے جو حکومت اُتر پردیش سے اس سلسلے میں ملاقات کر کے اس مطالبے کو منظور کرانے کی کوشش کرے۔

طے کیا گیا کہ صدر محترم ارکان کمیٹی کے نام تجویز فرمائینگے۔

سہ لسانی فارمولا اور یو۔پی

الہٰ آباد کے کچھ محبان اُردو نے سہ لسانی فارمولے کے سلسلے میں،
حکومت یو۔پی کے طریقہ کار پر وزیر تعلیم کو جو عرضداشت بھیجی ہے
اس کا خلاصہ مدلّے ملت ہفتہ وار سے لیکر ذیل میں درج کیا جاتا ہے :

(۱) عرضداشت میں عمل در آمد کمیٹی کے فیصلے کے مقصد کے خلاف سرکاری جی۔ او، اور ڈائریکٹر تعلیمات یو۔پی کی گشتی چٹھی پر رنج و افسوس کا اظہار کیا گیا ہے، (۲) اس سلسلے میں وزیر اعظم کی یقین دہانیوں اور خود وزیر تعلیم کے حق پسندانہ فیصلے کے باوجود حکومت یو۔پی کے عمل پر اظہار حیرت کیا گیا ہے۔ (۳) فارمولے کی اصل اسپرٹ کے خلاف یو۔پی کی حکومت کے فیصلے سے عام تعلیمی پسماندگی پیدا ہونے کے امکان کو جمہوریت کے لئے خطرناک قرار دیا گیا ہے۔ (۴) سہ لسانی فارمولے میں سنسکرت کو شامل کرنے سے، قومی، علاقائی اور مادری زبانوں کے درمیان علاقہ پیدا کرنے کے اصل مقصد کو نقصان پہنچانے کا موجب قرار دیا گیا ہے، (۵) اور واضح کیا گیا ہے کہ سنسکرت کی شمولیت سے خود قومی زبان ہندی کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ اور ہندی کے سنسکرت نما ہو جانے سے جنوبی ہند کو مزید مخالفانہ سرگرمیوں کا موقع دینا ہے اور اس طرح قومی یکجہتی پر کاری ضرب لگاتا ہے۔

آخر میں درخواست کی گئی ہے کہ محکمۂ تعلیم کو اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر کے عمل در آمد کمیٹی کے فیصلوں کے مطابق فوری طور پر اپنے احکامات میں ترمیم کا اعلان کر کے لسانی اقلیتوں کا اعتماد بحال کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

سہ لسانی فارمولے پر وزیر اعلیٰ یو۔پی کا جواب

معزز ہمعصر روزنامہ قومی آواز کے
اسٹاف رپورٹر کا بیان ہے کہ :

لکھنؤ۔ ۲۴ جون۔ وزیر اعلیٰ نے جو انجمن اسلامیہ اتر پردیش کے ایک وفد سے آج سہ پہر کو ملاقات کر رہے تھے دوران گفتگو میں خیال ظاہر کیا کہ دستور میں جن موجودہ زبانوں کو علاقائی زبانیں قرار دیا گیا ہے ان میں سے ہر زبان سہ لسانی فارمولے میں شامل ہے۔

ملحوظ رہے کہ سہ لسانی فارمولے میں انگریزی اور ہندی لازمی زبانیں ہیں۔ تیسری زبان بارہ زبانوں میں سے کوئی ایک لی جا سکتی ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ انجمن اسلامیہ نے اس سلسلے میں وزیر اعلیٰ کو توجہ نامہ پیش کیا تھا۔ اُس میں درخواست کی گئی تھی کہ "سنسکرت کو سہ لسانی فارمولے سے اس بنا پر خارج کر دیا جائے کہ وہ آج کی زندہ زبانوں میں نہیں رہی۔ اور اُردو کو، جو جدید زبانوں میں ایک زبان ہے اور جس کے بارے میں مشہور ہو گیا ہے کہ اتر پردیش سرکار اُسے سہ لسانی فارمولے میں شامل کرنے پر تیار نہیں، شامل کیا جائے۔

کہا جاتا ہے کہ وزیر اعلیٰ نے اس مطالبے کو فرقہ وارانہ قرار دیا کہ سنسکرت کو فارمولے میں شامل نہ کیا جائے۔ اور انھوں نے وفد کے ممبروں سے دریافت کیا کہ اگر کوئی طالب علم سنسکرت لینا چاہے تو اسے کیسے روکا جا سکتا ہے۔ وزیر اعلیٰ نے وفد سے کہا کہ اُردو کو سہ لسانی فارمولے سے خارج نہیں کیا گیا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ وزیر اعلیٰ نے وفد سے کہا کہ یو۔پی سرکار تیسری زبان کے معاملے میں کسی خاص زبان کے شامل کرنے یا خارج کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی ہے بلکہ بقیہ بارہ زبانوں میں سے کسی بھی زبان کو طالب علم اختیار کر سکتا ہے۔

بہر حال وزیر اعلیٰ نے وفد کو باضابطہ تحریری جواب بھیجنے کا اطمینان دلایا ہے۔

بقیہ

اُردو میں ہندو دھارمک کتابیں اور سفت دھرم پرچار منڈل

دوسری کتاب "تیرتھ مہاتم" ہے جس میں فاضل مصنف نے اپنی تمام تر کوششوں سے ہندوستان بھر کے اہم ترین تیرتھ استھانوں اور ان کی احادیث کا مختصر سا حال لکھ دیا ہے۔ دھنا جی نے کافی تحقیق اور تجسس سے تیرتھ کی اہمیت، وید پران اور پرانوں میں تیرتھوں کے متعلق احکامات اور طور طریقوں پر بھی مدلل بحث کی ہے اس کے علاوہ ایک باب میں ایسے تمام اعتراضات کا جواب دیا ہے جو آج کے ناستک دور میں عام طور پر اٹھائے جاتے ہیں۔

"پراچین سائنس" نامی اس کتابچے میں جو سفت دھرم منڈل کی ۳۰۶ ویں پیش کش ہے، روحانی سائنس کے کرشموں اور ان کے کمال کو مختصر طور پر بیان کیا گیا ہے اور آخر میں کتابوں کے حوالے بھی دیئے گئے ہیں جن سے یہ مضامین اخذ کئے گئے ہیں اور کچھ ایسے اشخاص کے نام اور پتے بھی جو اس قسم کے ٹھوس تحقیقی کاموں میں مصروف ہیں۔

غرض تحقیقی تالیف و تدوین کی ان عظیم الشان خدمات انجام دینے کے باوجود منڈل اپنے تمام پروگراموں کو مختصر کرنے پر مجبور ہے۔ اُن بڑے بڑے گرنتھوں کو جن کا وہ بیڑا اٹھا چکا ہے، تکمیل تک پہنچانے میں بڑی مشکلات حائل ہو رہی ہیں۔ وہ ویدوں جیسی عظیم کتابوں کے ترجمے تک شائع نہیں کر پا رہا ہے، کیونکہ اس کا سرمایہ نہ صرف محدود ہوتا جا رہا ہے بلکہ گزشتہ سال کی رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کو نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے، اور جو عطیے وصول ہو رہے ہیں وہ صرف پنجاب کی سرزمین تک محدود ہو گئے ہیں اور جو چندہ دیتے ہیں ان کے ہاتھ تنگ ہیں اور جو گراں بہا عطیہ دے سکتے ہیں وہ ابھی تک اس جانب توجہ نہیں کر رہے ہیں۔ اس ادارے کو ہندی کتابیں شائع کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے، اور اگر ہم سب اس ادارے کی جانب توجہ نہ کریں تو یقین ہے کہ یہ ادارہ بھی جو اس وقت اپنی اشاعتی سرگرمیاں محدود کرتا جا رہا ہے وقت کی ناقدری کا شکار ہو جائے گا اور پھر شاید یہ منفرد ادارہ بھی بند ہو جائے، اور اردو زبان میں یہ تالیف، وتصنیف و تراجم کا جو کام جاری ہے وہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔

اس لئے میں انجمن ترقی اُردو علی گڑھ اور ہندوستان بھر کی دیگر انجمنوں سے اور تمام اہل خیر حضرات سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنی تمام تر کوششوں اور عطیوں سے اسے جلا دیں تاکہ اُردو کی آبیاری میں یہ ادارہ بھی اپنا حصہ ادا کر سکے، مجھے امید ہے کہ اُردو کی بقا اور ترقی کے لئے ہر کوئی اپنی بساط بھر کوشش کرے گا۔

تمام عطیے اور چندے سکریٹری سفت دھرم پرچار منڈل۔ امرتسر، پنجاب کے پتے پر روانہ کئے جائیں۔

از ضیاء احمد بدایونی

تبصرے

سرچشمۂ قرآن

از ابو الفدا محمد عبد القادر
ملنے کا پتہ - حیدر اینڈ سنس، تاجر کتب، چار کمان حیدر آباد دکن
قیمت - ۶ر

ایک عیسائی مستشرق ڈاکٹر ٹسڈل نے ایک کتاب ینابیع الاسلام کے نام سے لکھی تھی جو انگریزی میں سورسز آف اسلام سے شائع ہوئی تھی۔ عرصہ ہوا تو اس کا ترجمہ نگار لکھنؤ میں نکلا تھا۔ خدا جزائے خیر دے محمد عبد القادر صاحب کو جنھوں نے سرچشمۂ قرآن لکھ کر عیسائیوں کے اعتراضات کا مدلل اور شافی رد کر دیا۔ غیر مسلم خصوصاً عیسائی جب کوئی قرآنی بیان کتب سابقہ (توریت، انجیل وغیرہ) میں پاتے ہیں تو معاً اپنی بدنفسی کی بنا پر تحقیق اور ریسرچ کے انداز میں دعویٰ کر بیٹھتے ہیں کہ یہ بات پیغمبر اسلام نے فلاں کتاب یا مذہب سے اخذ کی ہے۔ اور جہاں کوئی بیان کتب سابقہ کے خلاف دیکھتے ہیں تو اس کو معاذ اللہ حضورؐ کا اختراع ٹھہراتے ہیں۔ حالانکہ قرآن یہ دعویٰ ہی نہیں کرتا کہ وہ کوئی نیا مذہب لے کر آیا ہے۔ اسلام رسول خداؐ کے عہد سعادت سے نہیں بلکہ پہلے انسان کے زمانے سے دنیا میں آیا ہے۔ اسی لئے قرآن مجید ایک طرف اپنے آپ کو "مصدق" فرماتا ہے کہ اگلی کتابوں (توریت، انجیل یا جو الہامی کتابیں بھی ہدایت انسانی کے لئے نازل ہوئی ہوں) کی تصدیق کرنے والا ہے۔ دوسری طرف اپنا وصف "مبین" بھی بتاتا ہے یعنی اگلی امتوں نے جو اختلافات پیدا کر دیے ان کی نشان دہی کر کے صحیح حقیقت کو بے نقاب کرتا ہے۔

ایسی صورت میں مخالفین اسلام کی تمام تر "ریسرچ" کوہ کندن اور کاہ بر آوردن کی مصداق ٹھہرتی ہے۔ فاضل مصنف نے عیسائی اعتراضات کے جوابات نہایت دل نشیں اور معقول طریقے سے دیے ہیں جس پر وہ سب اہل انصاف کے شکریے کے مستحق ہیں۔ البتہ چند امور ہم ان کے گوش گذار کرنا چاہتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ اسرائیلیات اور اسی قسم کی ضعاف و مناکیر کو خود ہمارے علماء نے ناقابل اعتبار و استناد قرار دیا ہے مگر جو امور قرآن مجید یا احادیث صحیحہ سے صاف طور پر ثابت ہیں مثلاً معجزات انبیاءؑ، معراج، جنت، دوزخ وغیرہ ان میں ہمیں کوئی معذرت آمیز لہجہ اختیار کرنے کی ضرورت نہیں۔ دوسرے مذاہب میں ان سے بڑھ کر ماورائے عقل امور پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح موصوف نے مسیحی مصنف کے اس اعتراض کے جواب میں کہ قرآن پاک کے بعض الفاظ غیر زبانوں سے ماخوذ ہیں عربی کو ام الالسنہ ثابت کرتے ہوئے دکھایا ہے کہ یہ اعتراض بے بنیاد ہے۔ حالانکہ اگر بعض الفاظ کی نسبت وہ دعویٰ صحیح بھی ہو تو اس سے عربی زبان کی جامعیت اور قرآن کے تقدس میں کیا فرق آتا ہے۔ عربی شدہ ہندی تو نہیں اس کے دامن میں بڑی وسعت ہے۔ ایک زمانے میں اس نے ہزارہا یونانی الفاظ کو اپنے ظلّ عاطفت میں پناہ دی تھی۔ علامہ سیوطی اور دوسرے علماء نے متعدد ایسے الفاظ کی نشاندہی کی ہے جو دوسری زبانوں کے ہیں اور جن کو قرآن پاک نے اپنے دامن میں جگہ دی ہے جیسے سندس، استبرق، زنجبیل وغیرہ۔ یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ جناب مؤلف نے ایک جگہ (صفحہ) لکھا ہے کہ لفظ احمد فاعل ہے مفعول نہیں۔ لکھنا یوں چاہئے تھا کہ یہ اسم تفضیل ہے اسم مفعول نہیں۔ دوسری جگہ (ص ۱۳۹) تحریر کیا ہے کہ رائی کا اسم ظرف مرآت (آئینہ) ہے۔ شکل دکھلانے والا آلہ؟ علیٰ ہذا توریت وغیرہ جیسے الفاظ کو عربی سے مشتق بتانا بھی بوالعجبی ہے۔ اس کا عربی مادہ وری (آگ نکالنا) سے کوئی تعلق نہیں یہ دراصل عبرانی لفظ Torah سے مشتق ہے جس کے معنی قانون ہیں۔ (תורה = قانون) غالباً یہی لفظ کسی طرح تاتاریوں میں پہنچا چنانچہ تورہ اُس آئین کا نام قرار پایا جو چنگیز خاں نے ایجاد کیا تھا۔ تاتاریوں (منگولوں) سے اس کو مغلوں نے اپنایا۔ دلی ہی کی تقلید میں چند سال پہلے تک ہمارے نواح کی شادیوں میں تورہ بندی کے کھانے کا رواج تھا۔

گل خنداں

یہ ماہنامہ گل خنداں لاہور کا بزرگان دین نمبر ہے جو برصغیر پاک و ہند کے بزرگوں کے حالات پر مشتمل ہے۔
پرنٹر و پبلشر ملک سراج الدین کشمیری بازار، لاہور
قیمت نمبر مذکور تین روپے۔

اس نمبر میں حروف تہجی کی ترتیب سے برصغیر کے مشہور اولیائے کرام کے سوانح جن کو مختلف اہل علم نے مرتب کیا ہے درج ہیں۔ البتہ اتنی کمی ہے کہ ماخذوں کے حوالے نہیں دیے گئے۔ مدیر نے دعویٰ کیا ہے کہ صرف مستند اور مطابق عقل واقعات درج کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن جا بجا خوارق عادات و کرامات کے تذکرے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس شرط کی کماحقہٗ پابندی نہیں کی گئی۔ تاہم یہ خدمت افادیت سے خالی نہیں۔ اہل دل کے کردار اور ان کے ارشادات اپنے اندر عام خلائق کے لئے جو بصیرت افروز درس رکھتے ہیں اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ کتاب میں اس قسم کی غلطیاں دیکھ کر افسوس ہوا کہ امیر خسرو نے فتوحات علائی پر ایک منظوم کتاب خزائن الفتوح لکھی۔ حالانکہ یہ نثر میں ہے یا یہ کہ انہوں نے مثنوی خمسۂ نظامی گنجوی تحریر کی۔ اغلاط کتابت بھی بکثرت ہیں۔

مالک انجمن ترقی اُردو ہند علی گڑھ، پبلشر نذیر حسن، پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن ترقی اُردو ہند سے شائع کیا۔